منیر رپورٹ سے منیر رپورٹ تک

جناب نعیم صدیقی صاحب

(۲)

ایک اور کلمۂ مدح

منیر رپورٹ کے ایک اور مداح کا کلمہ ستائش بڑا دلچسپ ہے۔ جسٹس منیر نے اپنے نشہ نرگسیت میں اسے بھی جوں کا توں نقل کر دیا ہے وہ کوئی صحافی ہے جس نے جسٹس رپورٹ کی تحسین یوں کی ہے کہ آجتک دو ہی کتابیں میرے مطالعہ میں ایسی آئیں جنہیں شروع سے آخر تک پڑھے بغیر چھوڑنا گوارا نہ ہوا۔ پہلی تھی "لیڈی چیٹرلے کا عاشق" (Lady Chatterley's Lover) اور دوسری منیر رپورٹ (ص ۴۳) داد دیجیے صحافی کی مہارت بیان کو کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس نے دونوں کتابوں کو مساویانہ اہمیت دے کر مدح کی ہے یا ذم۔ اسی لیے جسٹس صاحب بھی کہہ اٹھے کہ "کیا ہی تقابل ہے؟" (What a comparison) اس شخص نے رپورٹ کی تعریف صرف اس لحاظ سے کی ہے کہ وہ اتنی دلچسپ تھی کہ تسلسل توڑے بغیر اسے پڑھا۔ یہ تعریف لیڈی چیٹرلے والے ناول[۱] ہی کی نہیں، کسی جاسوسی کہانی، کسی کوک شاستر، کسی کتاب لطائف

۱۔ "لیڈی چیٹرلے" میں اس کے "عاشق" کے جنسی کرتوتوں کو نکال دیا جائے تو پھر اسے کون خریدے اور پڑھے۔ ہمارے ہاں محبت ایک پاک صاف باطنی جذبے کا نام ہے مگر انگریزی میں جو چیز Love کہلاتی ہے اس کا زیادہ تر مفہوم جسموں کی حرکات پر ہوتا ہے یعنی وہاں کے سیکولر حیوانِ ناطق کا عاشق "نطق" سے آغاز کرتا ہے، "نقل" (کھانے پینے) کو ذریعہ قرب بناتا ہے تھوڑی سی نقل و حرکت (اکٹھے ویک اینڈ گذارنے کے لیے کسی ساحلی مقام کا رخ کرنا) سے گرماگرمی پیدا کرتا ہے پھر زیادہ دیر نہیں گذرتی کہ حیوانیت کا پورا ڈرامہ اوپن ائر اسٹیج پر (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کی بھی کی جا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صحافی مذکور کے لیے اصل سامان دلچسپی یہی ہو کہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر احوال و معاملات کی گردنیں کس طرح مروڑی جا سکتی ہیں اور معزز ترین شائستہ بیان لوگوں کے بیانوں کے قصد جرح کے نشتروں سے کیسے کھولے جا سکتے ہیں، دوسروں کے طرز فکر اور ان کے مدعا کو خود انہی کے منہ پر بدلنا اور بات کو کچھ کا کچھ بنا کر دکھانا ایک ایسی کارروائی ہے جس کی دلچسپی میں تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ وہی ایک صحافی نہیں اس ملک کے ہزاروں ذی شعور افراد کے ساتھ راقم الحروف بھی جج کے ان پہلوؤں کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا ہے۔

منیر رپورٹ کے مداح صحافی کو رپورٹ اس لیے مذکرہ ناول کے مساوی درجے پر پسند آئی کہ یہ کہانی سیکولرازم کے ایک سچے محب (lover) کی ہے۔ ساری رپورٹ ایک ڈراما ہے۔ مختلف کردار آتے ہیں، ڈائیلاگ بولتے ہیں، کچھ پارٹ ادا کرتے ہیں اور اوجھل ہو جاتے ہیں۔ صرف ہدایت کار چیف ایکٹر بن کر شروع سے آخر تک ہر سین میں موجود رہتا ہے۔ دوسرے ہر کردار کے کندھے پر ہدایت کار صاحب یا تو خود سوار ہو جاتے ہیں یا سوار ہونے کی بار بار کوشش کرتے ہوئے گرتے ہیں اور غصے میں آ جاتے ہیں۔ سوار ہو جائیں تو جس سے جو مکالمہ چاہیں کرا لیں۔

پس ہم بھی دل کھول کر داد دیتے ہیں کہ یہ رپورٹ ایک متوسط صحت مند ڈرامے سے بھی زیادہ دلچسپ ہے

جسٹس صاحب اپنے مداحوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

جماعت اسلامی کا تبصرہ

"پھر اس رپورٹ پر کوئی تنقید نہیں کی گئی سوائے اس کے جو جماعت اسلامی کی طرف سے ہوئی۔" (ص ۴۳)

(بقیہ حاشیہ) پیش کر دیتا ہے۔ راستہ چلتے ہوئے یا پارکوں اور سیرگاہوں میں ہر جگہ یہ سیکولر lover ہوتی ملے گی لیڈی چیٹرلے وہ ناول ہے جو تادیر ممنوع الاشاعت رہا مگر اب چھپتا ہے کیونکہ معاشرہ فحاشی کے میدان میں اس سے دس قدم آگے جا چکا ہے۔ لیڈی چیٹرلے کے عاشق پر Love کے دورے بکثرت پڑتے ہیں۔ کبھی بستر پر، کبھی جنگل کی جھاڑیوں میں، کبھی غسل خانے میں اور ناول نگار تمام مواقع کی تصاویر کھینچتا جاتا ہے۔ یہ نشان ہے سیکولرسٹ معاشرے کی۔ اسلام میں یہ خوش فعلیاں کہاں؟ اسی لیے تو جسٹس منیر نے اسلام سے ناراض ہو کے یہ رپورٹ لکھی۔

مگر جماعت اسلامی (بحالاتِ موجودہ کالعدم) کی اس تنقید کو بے وزن قرار دینے کے لیے جسٹس صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

"وہ (جماعت) جسے ہم نے اضطرابات کی ذمہ داری میں حصہ دار قرار دیا ہے"۔ (ص ۲۴۳) تاثر یہ پیدا کرنا مطلوب ہے کہ جماعت کا تبصرہ تو ناراضگی کی وجہ سے تھا کیونکہ ہم نے خرابیٔ احوال کی ذمہ داری (جزوی طور پر) اس پر ڈالی ہے۔

ہم آگے چل کر اس تبصرہ کے چند اہم نکات کو پیش کریں گے تاکہ ایک بار پھر حقائق کو اس طرح تازہ کر دیا جائے جسے منیر صاحب نے رپورٹ کے اس ردِ معارف کا خلاصہ از سرِ نو شائع فرما دیا ہے کوئی بھی انصاف پسند آدمی جماعت کے تبصرے کے ان نکات کو ——— یا ضرورت ہو تو پورے تبصرے کو ——— خود مطالعہ کر کے دیکھ سکتا ہے کہ منیر رپورٹ کے متعلق جو تنقیدی بحث کی گئی ہے وہ کہاں تک درست ہے اور اس کی روشنی میں منیر رپورٹ کی صحیح قدر و قیمت کیا قرار پاتی ہے؟[۵]

---

[۵] منیر صاحب بھی اپنے اس ترجیحی مقام کو جانتے ہیں اور ہم بھی اعتراف کرتے ہیں کہ وہ سرکاری عدالتی منصب کی وجہ سے سرکار کی تیار کردہ ہوئی رپورٹ کو تمام دوسری حکومتوں اور سیاسی، علمی اور تحقیقی اداروں تک پہنچا سکتے ہیں بلکہ خود حکومت نے اسے پہلے ہی پہنچا دیا ہے۔ منیر صاحب تو اب جو کتاب بھی لکھیں گے۔ یورپ امریکہ اور برطانیہ میں اسے ضرور توجہ سے پڑھا جائے گا خصوصاً اسلام دشمن مستشرقین اور مخالف علماء سیکولرسٹ اسکی بڑھ چڑھ کر قدر کریں گے اور منیر صاحب کے بہم کردہ مواد کو مسلم تحریکات کے خلاف استعمال کرینگے۔ منیر صاحب کی رپورٹ کو اگر گھر کے لوگوں نے جوم کے سینے سے نہیں لگایا ہے تو باہر کے لوگ اسکے ایک ایک لفظ کو موتیوں میں تولیں گے منیر صاحب نے علماء کے حوالے سے اسلام کو ایسی شکل دے کر اغیار کے سامنے رکھا ہے کہ جہاں کہیں اسلامی اسپرٹ کے ساتھ مسلمان تجدیدِ حیات کیلیے اٹھیں گے اغیار کی پروپیگنڈہ مشینری منیر صاحب کے فراہم کردہ مواد کو موثر طور سے کام میں لائیگی۔ عدالتی منصب پر کھڑے ہو کر اسلام کو ناپسند کر غیر الٰہی دنیا کے سامنے منیر صاحب نے اسلام کا ایک ایسا مسخ شدہ چہرہ پیش کیا ہے کہ جسے دیکھ کر خوف و دہشت پھیل جائے یہ کیسی اعلیٰ تبلیغِ اسلام ہے اور کیسی نادر خدمت پاکستان! اس پہلو سے جب رپورٹ پر نظر جاتی ہے تو ان لوگوں کی بات میں کشش معلوم ہوتی ہے کہ منیر رپورٹ کو ضبط قرار دینا چاہیے مگر اب اگر ایسا ہو بھی تو بعد از وقت ہوگا جس کا فائدہ سوائے اسکے کچھ نہیں کہ رپورٹ کی طرف دنیا کی توجہات بطور خاص مبذول ہو جائیں۔

میں اس امر پر حیرت زدہ ہوں کہ جسٹس منیر صاحب نے اپنے مداحین کے خیالات تو اس کتاب میں پیش کر دیے ہیں وہ اگر انصاف پسند ہوتے تو رپورٹ کے متعلق جو واحد تبصرہ ان کے سامنے آیا تھا اس کا بھی خلاصہ خود بیان کرتے اور جو سوالات اس میں اٹھائے گئے ہیں ان کا جواب دیتے جسٹس صاحب سے اتنا بھی تو نہیں ہو سکا کہ اس واحد تبصرے کے بارے میں دو چار تاثراتی سطریں ہی لکھ دیتے میں سمجھتا ہوں کہ جسٹس صاحب کا موقف اتنا کمزور ہے اور ان کے تحقیقاتی کام میں اتنے ٹیڑھ ہیں کہ وہ یہ جرات نہیں کر سکتے کہ کسی ایسے شخص یا جماعت کی بات پر توجہ دیں جو ان کی کمزوریوں کو نمایاں کرے۔

جسٹس صاحب کی ایک خصوصی کمزوری بذریعہ تحقیقاتی عدالت یہ واضح ہوتی ہے کہ وہ اپنی بات منوانے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں مگر دوسروں سے نہ کوئی استفادہ کرتے ہیں نہ کسی دوسرے کی کسی دلیل سے اثر لیتے ہیں نہ دوسروں کے بہتر نقطہ نظر کا اعتراف کرتے ہیں اور نہ کوئی بات قبول کرتے ہیں چنانچہ ۱۹۵۳ء سے لے کر اب تک جو عرصہ گذرا ہے اس میں کیا کیا کچھ ہوا اور کیا کچھ منیر صاحب کے سامنے آیا مگر مجال ہے جو رتی بھر بھی کوئی تبدیلی انہوں نے اپنی ۲۷ سال پہلے کی آرا میں قبول کی ہو ایسی ضدی اور متحجر شخصیتیں قوموں کی بہبود کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔

منیر صاحب کیلیے لمحۂ مسرت

زیر مطالعہ کتاب کے ابتدائی اوراق میں جب منیر صاحب کا یہ ارشاد میری نظر سے گذرا کہ اسلام مغربی اور مشرقی پاکستان کو وابستہ رکھنے میں بہت ہی کمزور رشتہ ثابت ہوا (ص ۱۰) تو مجھے منیر صاحب کی مسرت پنہاں پر بہت صدمہ ہوا۔

قضیہ اگر یوں ہو کہ کسی شخص کو چار آدمی پکڑ کر اس کا بازو کاٹ ڈالیں تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ بدن کی وحدت کو قائم رکھنے والی فطرت بہت کمزور نکلی؟ لمبی سازشوں کے بعد سابق مشرقی پاکستان کی بھارت نواز آبادی کو تیار کر کے نیز روسی دوستی اور اسلحہ اور اسرائیلی مہارت جنگ سے استفادہ کر کے اگر مشرقی پاکستان کو الگ کر لیا گیا تھا تو اس میں اسلام کا کیا قصور تھا، وسطی ملیشیا، قازقستان اور روسی ترکستان کی ریاستوں کے مسلمان اگر چالیس برس تک روسی تسلط کے خلاف لڑتے لڑتے دم توڑ گئے تو اس سانحہ کی ذمہ داری اسلام کی کسی کمزوری پر کس طرح آتی ہے؟ مغربی امپیریلزم کی یلغار کے خلاف عرب، افریقی اور ایشیائی ممالک نے جو شاندار مزاحمت دکھائی اس کا ایک بڑا محرک اسلام تھا اب اگر جغرافی اور مادی وجوہ سے اور مسلمانوں کی اپنی بعض نادانیوں یا کمزوریوں کے باعث ہمارے اکثر و بیشتر ملک مغربی تسلط میں

چلے گئے تو اس میں اسلام کی کس کوتاہی کا دخل تھا؟ اسلام نے تو شروع کی ہر مزاحمت میں بھی بڑا حصہ لیا ہے اور بعد میں غلامی کے خلاف اٹھنے والی مسلم تحریکات میں بھی اس کا غیر معمولی اثر دیکھا جا سکتا ہے بلکہ یہ اسلام ہی ہے جو مغرب کے فکری تسلط کے خلاف پون صدی سے مسلمانوں کو احیائے اسلام کے محاذ پر جمع کر کے معرکے لڑا رہا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سیکولرازم کا زور ٹوٹ چکا ہے۔ اور سیکولرسٹ حضرات یا تو مہر بہ لب ہو کر تہہ خانوں میں جا بیٹھے ہیں یا ان میں اگر کوئی شخص منیر صاحب کی طرح اپنے نظریات کو نمایاں کرتا ہے تو وہ اس قوم میں تنہا رہ جاتا ہے۔ اس کے نظریات دلوں اور دماغوں میں جڑ نہیں پکڑتے۔

پھر منیر صاحب کو سوچنا یہ بھی تو چاہیے تھا کہ پاکستان کا مغربی حصہ ہو یا مشرقی اس میں معاشرہ اسلامی اساس پر عملاً پوری طرح تعمیر نہیں ہو چکا تھا بلکہ ایک قوم اس خواہش کے ساتھ اٹھی تھی کہ یہ سارا نظام حیات اسلامی اصولوں پر استوار کرنا ہے۔ اور اسی ارادے کی وجہ سے عالمی طاقتیں اور مختلف ممالک و اقوام پاکستان کے اس ارادے کو ایک "خطرہ" سمجھتی تھیں اور اس کے لیے ایڈ اور ماہرین اور معاہدوں اور بین الاقوامی اداروں کے ذریعے پاکستان کو گھیر گھار کر سیکولرازم کی راہ کی طرف ڈالنا چاہتی تھیں۔ نیز اسی غرض سے وہ اپنے اندر کے سیکولرسٹوں کو "دستور" سازی کے ابتدائی مراحل سے لے کر تا ایندم پاکستان کی گاڑی کا رُخ موڑنے کے لیے استعمال کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ اس منصوبے میں پوری طرح کامیابی نہ ہونے پر انہوں نے اسے کمزور کرنے کی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ مشہور کتاب "پاکستان کٹ ٹو اِٹس سائز" کے عنوان ہی کا مفہوم یہ ہے کہ پاکستان کا دماغ درست کر دیا گیا ہے۔

منیر صاحب اور ان کے ہم خیال اس حقیقت پر بھی غور فرمائیں کہ جو علیحدگی لڑائی جھگڑے اور خون خرابی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کو دونوں خطوں کے عوام اور ان کی حکومتوں نے فراموش کر کے از سرِ نو تعلقاتِ اخوت استوار کرنا شروع کر دیے ہیں۔ کیا یہ اسلام ہی نہیں جس کا اثر بار بار تاریخ میں نمودار ہوتا ہے؟ اس کوشش میں بھی ہزار طرح کی رخنہ اندازیاں ہو سکتی ہیں کیونکہ مسلم حکومتیں معاندت اور انتقام کی جذبات رکھنے والی طاقتوں میں گھری ہوئی ہیں۔

آخر میں جسٹس منیر اور ان کے ہم خیالوں سے گذارش ہے کہ وہ موجودہ دنیا کے نقشے کو دیکھیں جس میں برپا ہونے والی ہر نزاع و کشمکش بالعموم دینی یا نظریاتی بنیادیں رکھتی ہیں۔ سوشلسٹ حکومتوں

اور تحریکوں کو تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ غیر سوشلسٹ قوتوں کے خلاف محاذ آرا ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بھی قبرص اور اریٹیریا اور فلسطین اور جنوبی فلپائن میں دینی بنیادوں پر معرکہ آرائی ہو رہی ہے۔ عیسائی دنیا سے آپ مثال چاہیں تو برطانیہ میں آئرلینڈیوں کی جدوجہد پیش کی جا سکتی ہے۔

اس گفتگو کی تکمیل کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ سیکولر متحدہ وطنی قومیں تو قطعی طور پر ناکام ہو چکی ہیں۔ جہاں کہیں اس قسم کی کوئی مصنوعی قوم موجود ہے۔ وہاں ایک مصیبت برپا ہے۔ دور نہ جائیں، بھارت کے سیکولر نظام میں مسلمانوں کو جن تباہ کن بلوؤں کا سامنا وقفے وقفے پر ہو رہا ہے، آسام اور تھائی لینڈ کے مسلمانوں پر مسلمان ہونے کی وجہ سے جو آزمائش آئی ہوئی ہے اور کمبوڈیا اور ویت نام میں مسلمانوں کو جس طرح تباہ کیا گیا ہے، ان سارے حالات کا جائزہ لے کر بھی اگر کوئی شخص دین کو اجتماعی دائرے سے الگ رہ کر سیکولرازم کے خیالی گھوڑے دوڑاتا ہے تو ایسے آدمی کی خوش فہمی پر رحم کھانا چاہیے۔

جسٹس صاحب! سیکولرازم کا فلسفہ ایجاد ہو کر تجربوں سے گذرا اور اب ناکامی سے دوچار ہے۔ پھر آخر یہ کیا مصیبت ہے کہ آپ نہ صرف یہ کہ خود اس کا جھنڈا اٹھائے کھڑے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی چاہتے ہیں کہ وہ اس کو سلامی دیں۔ اب تو وقت آگیا ہے کہ ہر ملک میں سیکولرازم کا مزار بنایا جائے اور اس کے لیے کسی بہترین سیکولرسٹ کو مجاور بنا کر اس پر بٹھایا جائے۔

پاکستان کے مشرقی حصے کی علیحدگی سے اگر اسلام کے خلاف آپ کے سیکولرازم کا کیس مضبوط ہوتا ہو تو پھر یہ بتائیے کہ خود سیکولرازم کیوں سیکولرازم سے ٹکراتا ہے؟

محترم جسٹس صاحب! تاریخ بڑی پیچیدہ چیز ہے۔

پاکستان میں سیکولر نظریہ کی کمر ٹوٹ چکی ہے

ایران اور افغانستان کے احوال کا تجربہ، اور ان کی توجیہہ تو رہی الگ، خود پاکستان کی دستور سازی کے دائرے میں سیکولرازم کی پے در پے شکستیں عبرت آموز ہیں۔

اور منیر صاحب کی تازہ کتاب کا بھی مرکزی کیس یہ ہے کہ قائداعظم ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء والی تقریر کے مقتضیات کے مطابق ایک ماڈرن سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے، مگر بعد کے لوگوں نے[1] (مراد ہیں

---

[1] اول تو قائداعظم کی ۱۱ اگست والی تقریر کو ان کے تمام دوسرے ارشادات سے ٹکرا دینا جو پاکستان بننے سے
(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

خان لیاقت علی خان اور سردار نشتر سے لے کر ایوب، بھٹو تک سبھی لوگ اسفینے کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس دعوے کا تجزیہ تو بھی شاید آگے جا کر کرنا پڑے۔ البتہ اس سے متعلق دو ایک اہم تاریخی مواقع کا تذکرہ آئے گا۔

کسی بھی سیکولرسٹ کے لیے پہلا امید افزا موقع صدر ایوب کا دورِ حکومت تھا۔

منیر صاحب کہتے ہیں کہ صدر ایوب بڑے وسیع المشرب آدمی تھے۔ جبھی تو ماڈرن اسلام اور بیسک ڈیموکریسی کے علمبردار تھے۔ جج صاحب اس فوجی حکمران کی تعریف میں کہتے ہیں کہ اس نے صرف ایک بار اسلام پر تقریر کی تھی (ص ۸۱) یہ الگ بات ہے کہ تھوڑے بہت ریمارکس اسلام کے بارے میں وہ موقع بہ موقع دے لیتے۔ یہی سیکولر آدمی کی پسند کی بات ہے کہ مسلمانوں کا حکمران جو شخص ہو، وہ اسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پہلے اور بعد میں سامنے آئے، بہت بڑی زیادتی ہے۔ ایسی زیادتی اگر کوئی جج کرے تو پھر اس زیادتی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر ممکن ہوا تو ہم قائداعظم کے ارشادات کا باقاعدہ تجزیہ کر کے دکھائیں گے کہ انہوں نے کیا چاہا اور کیا کیا؟ بعدہٗ یہ سوال دریافت طلب ہے کہ آیا قائداعظم اپنے خیالات میں فردِ واحد تھے؟ نہ خان لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے لیڈر اُن سے متفق تھے، نہ بہ حیثیت مجموعی مسلم لیگ یہ جانتی تھی کہ انہوں نے کیا نازک بات کہی ہے یا جانتی تھی تو مانتی نہ تھی؟ اس سے بھی آگے گذر کر تحریک پاکستان کو چلانے اور اُس کے لیے قربانیاں دینے والے عوام کو بھی ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ان کا ذہن کس طرح تیار کیا جاتا رہا تھا۔ اور ۱۱ اگست والی تقریر کے بعد کیا وہ قائداعظم کا ساتھ چھوڑ کر یکایک اُلٹے راستے پر چل نکلے۔ ان ساری صورتوں سے آسان اور ہلکا فیصلہ یہ ہو سکتا ہے کہ منیر صاحب نے شخصِ واحد کی حیثیت سے ۱۱ اگست کی تقریر کا جو مفہوم سمجھا وہ غلط تھا۔ اگر اُسے غلط نہ مانا جائے تو پھر تمام مسلم لیگ، اس کے تمام لیڈروں، تمام علماء اور تمام عوام کو غلط ماننا ہوگا۔ اور یہ دعویٰ کرنا ہوگا کہ قائداعظم اپنے نقطۂ نظر میں فرد تنہا تھے یا زیادہ سے زیادہ جسٹس منیر ان کے ساتھ تھے: باقی ساری قوم دوسرے طرزِ فکر کی تھی۔ اگر ایسا تھا تو جمہوری لحاظ سے بات تو وہی چل سکتی تھی جس کی قائل ساری قوم تھی۔ براہ کرم جسٹس منیر صاحب اپنا ریکارڈ درست کریں۔

کو بہت زیادہ موضوع سخن نہ بنائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے سیکولرازم کو نقصان پہنچتا ہے[1]۔
اچھا تو آئیے اصل قصے کی طرف! جسٹس صاحب فرماتے ہیں کہ مئی ۱۹۶۲ء کے پہلے ہفتے میں ایوب صاحب نے ایک دستور نافذ کیا جس میں نہ تو بنیادی حقوق تھے اور نہ "اسلام کا نام"۔ یعنی ریاست کے نام سے اس لفظ کو ساقط کر دیا گیا۔ اں قرآن اور سنّت کے اصولوں کا تذکرہ تھا، اور اسلامی طرزِ زندگی (ISLAMIC WAY OF LIFE) کا حوالہ بھی تھا۔
کام یوں چلتا رہتا تو منیر صاحب کی مرادیں بر آتیں۔ مگر ہوا یہ کہ سابق دستور ساز اسمبلی کے بچے کھچے عناصر مسلسل زور دے رہے تھے کہ ۱۹۵۶ء کے دستور کے اسلامی خدوخال لازماً شامل کیے جانے چاہئیں ایوب اس مطالبے کو رد کرنے پر قادر نہ تھا۔ سو وہ چیزیں شامل ہوئیں۔ (ص ۸۳)
پھر کہتے ہیں:
"بعدازاں جب میں ایوبی کابینہ کا ممبر تھا اور پولیٹیکل پارٹیز بل ایک اجلاس میں زیرِ بحث تھا، ایک شخص نے بل میں ترمیم کرنے کی تحریک کی۔ ترمیم یہ تھی کہ کوئی ایسی پارٹی نہ بنائی جائے، جس کا نصب العین نظریۂ پاکستان کے خلاف پڑتا ہو" (ص۔ ۲۵) اس پر چوہدری فضل الٰہی (سابق صدر پاکستان) سیٹ سے اُٹھے اور انہوں نے نظریۂ پاکستان پر اعتراض کیا کہ اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔ اس پر جس ممبر نے ترمیم کی تحریک اٹھائی تھی، یہ کہا کہ نظریہ پاکستان، اسلام ہے۔ لیکن (منیر صاحب کہتے ہیں کسی شخص نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ اسلام کیا ہے؟ تجویز میں ترمیم پاس ہو گئی"
ہمارا سوال یہ ہے کہ اور کسی کو اگر اسلام کے معنی کسی ڈکشنری میں دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور نہ وضاحت طلب کرنے کی تو ایک منیر صاحب ہی کے دماغ میں کون سے خاص خلیات ایسے لگ گئے تھے جو اسلام اور اس کی ہر چیز کو پہچاننے میں حائل تھے۔ اگر ایسا تھا بھی تو اسلام کے معنی کے متعلق کسی دوسرے کے سوال اُٹھانے کے بجائے جج صاحب نے بہ حیثیت رکن کابینہ خود کیوں نہ استفہام فرمایا؟ اور یہی وہ کمزوری ہے جسٹس منیر کی کہ وہ عدالت کی کرسی پر تو شیر ہیں، لیکن کسی مجلس میں بیٹھے ہوں تو خاموش

[1] یہاں ایک دلچسپ جملہ سامنے آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام تو آیا تھا بت پرستی سے نجات دلانے کے لیے مگر مسلمانوں نے خود اسلام ہی کو ایک بت بنا لیا۔ کل دوسرا اسکولرسٹ یہ شگوفہ چھوڑے گا کہ مسلمانوں نے تو خدا ہی کو (نعوذ باللہ) بت بنا لیا ہے۔

دیکھیے مزید فرماتے ہیں کہ:

"جہاں اسلام کا نام آجائے تو پھر کوئی شخص اس کے خلاف کوئی بات نہیں کہے گا" (ص ۲۶)

کسی دوسرے کا کچھ نہ کہنا تو خیر کمزوری شمار ہوگا لیکن آپ جیسا بصیرت مند آدمی بھی کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکے تو ہزار افسوس۔ میرا خیال ہے کہ اس موقع پر بھی ایک تحقیقاتی عدالت یہ سلسلہ کارروائی کابینہ لگانی چاہیے تھی۔ اس کی صدارت آپ کرتے تو جس چیز کے چاہتے پرخچے اڑا دیتے۔

پھر فرماتے ہیں کہ ایوب صاحب کراچی میں تھے۔ واپس آئے تو میں نے اس معاملے پر سوال کیا کہ یہ کیوں ہوا ہے؟ جواب ملا کہ:

"اس سارے معاملے میں دنیا کیا کہے گی؟"

"یہ دنیا کیا کہے گی" کے الفاظ عمومی معنوں کے علاوہ ایک خصوصی مفہوم بھی رکھتے ہیں۔ یعنی ان میں جمہوریت بھی بول رہی ہے۔ ایوب صاحب کا مدعا یہ تھا کہ جب چاروں طرف لوگ ایک خاص نقطۂ نظر کے ہوں، کابینہ تک میں بھی وہ موجود ہوں تو میں تن تنہا اگر کوئی رد و بدل کروں گا تو یہ الزام میری ذات پر آئے گا کہ آمرانہ قوتوں سے کام لے کر میں اسلام کا راستہ روکنا چاہتا ہوں۔

پھر آگے جو بھٹو صاحب کے دور کا جسٹس منیر نے ذکر کیا ہے کہ منکرات و فواحش کی بندش ہوئی، اسلامی قوانین کا اعلان ہوا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو یہی رائے عام کا جمہوری دباؤ تھا جس نے اپنا اثر دکھایا۔

پھر یہاں انتخابات ۱۹۷۷ء کے خلاف تحریک قومی اتحاد اٹھی جس نے ایک بار پھر مسلم عوام کو اس طرح متحرک کر دیا جس طرح وہ تحریک پاکستان یا جہادِ ستمبر کے لیے متحرک ہوئے تھے اس عوامی تحریک میں اتنا زور پیدا ہوا کہ بالآخر ایک دورِ حکومت ختم ہو گیا اور فوج بیچ میں آئی مگر فوج بھی پاکستان کی اسلامی اساسیات کو ختم کرنے کی بجائے ان اساسیات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہایت ہی مشکل ملکی اور خارجی حالات میں از سرِ نو عزم لیکر اٹھی۔ رہا یہ سوال کہ کامیابی و ناکامی کے لحاظ سے اس کا کیا مقام ہے تو یہ ایک الگ بحث چاہتا ہے۔

اب تو صرف ایک ہی بات کہی جا سکتی ہے کہ جسٹس منیر خود سیکولرازم کے علمبردار بن کر اٹھیں اور ایک نئی پارٹی اٹھائیں جو اسلام کے اثرات سے دستور اور سیاست کو خالی کر دے۔

ہے ہمت؟ (باقی)